پہلا انسان اور قرآن

(از جناب مولوی سید حسین صاحب شور ایم۔ اے (عثمانیہ)

ذیل کا تحقیقی مقالہ جناب مولوی سید حسین صاحب نے اسوقت مرتب کیا تھا جبکہ آپ ایم۔ اے کے امتحان میں کامیاب ہوکر جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے زیرِ نگرانی شعبۂ دینیات میں ریسرچ کا کام کر رہے تھے اس مقالہ میں قرآن مجید میں قصۂ آدمؑ سے متعلق متفرق مقامات پر جو آیات آئی ہیں ان میں سے اکثر کو پیشِ نظر رکھکر نظریۂ "انسانِ اول" پر ایک خاص نقطۂ نگاہ سے بحث کی گئی ہے۔ ہم جناب مولانا گیلانی کے بدل سپاس گذار ہیں کہ آپ نے ازراہِ اخوتِ علمی و مہربانی یہ مقالہ برہان میں اشاعت کیلئے عنایت فرمایا ہے۔ (برہان)

علماءِ مغرب کے اس اختراعی فرضیہ نے کہ "ہر فرد اپنی نوع کا ایک مختصر نمونہ ہے" "انسانِ اول" کے متعلق بھی وہی سوالات پیدا کردیئے ہیں جو کسی عام آدمی کے متعلق پیدا ہوتے ہیں یعنی ہم جب کسی عام آدمی کے حالات لکھنا چاہتے ہیں تو ابتداءً ان امور کو سامنے رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ یہ شخص کب پیدا ہوا؟ کہاں پیدا ہوا؟

سمجھا جاتا ہے کہ پہلے آدمی کی زندگی میں بھی ان ہی سوالات کو اہمیت حاصل ہے۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو "عام آدمی اور پہلے آدمی" کے حالات اس باب میں باہم بالکل مختلف ہیں [illegible] اسباب و وجوہ کی بنا پر عام انسانوں کے متعلق ضرورت ہوتی ہے کہ دریافت

کیا جاوے کہ وہ کن لوگوں میں پیدا ہوا ؟ کس ملک میں پیدا ہوا ؟ کس زمانہ میں پیدا ہوا ؟ ان ہی سوالوں کے جوابات ہمارے سامنے ان گوناگوں تعلقات کو روشنی میں لاتے ہیں جن کا جاننا کسی عام آدمی کے حالات کے علم کے لئے لابدی ہے لیکن وہ آدمی جو آدمی نہیں بلکہ ابھی صرف آدم تھا اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہیں تھا ابھی اس کی زندگی میں اتنی بساطت و وحدت تھی کہ واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کے تاریخی اور جغرافیائی تعینون کی اسکے متعلق نہ ضرورت تھی اور نہ اسکا کسی واقعہ کی تشریح پر اثر پڑتا ہے ہم ایک معمولی شخص کے متعلق جب یہ جانتے ہیں کہ وہ دہلی میں مثلاً ۱۷۲۰ء میں پیدا ہوا تھا تو اس کے ساتھ ہمارے سامنے معلومات کا عظیم الشان ذخیرہ بے نقاب ہو جاتا ہے مثلاً یہ کہ اس شخص کے زمانہ میں کون بادشاہ تھا ؟ اس کی حکومت کیسی تھی ؟ اس کے امراء کیسے تھے ؟ اس عہد میں علوم و صناعات کے کون کون ماہرین دہلی میں رہتے تھے ؟ دیکھنے میں توسن ولادت اور مقام ولادت ایک معمولی سی بات ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ عام انسانوں کے حالات کی دراصل یہی دو کنجیاں ہوتی ہیں کہ اگر کسی شخص کے متعلق ہمارے پاس یہ دو کنجیاں نہ ہوں تو گویا ایسے آدمی کے اکثر حالات پر پردہ پڑا رہ جائیگا۔

اس کے مقابلہ میں عام آدمیوں کے متعلق یہ سوالات کہ وہ کس طرح پیدا ہوا ؟ نہ صرف غیر ضروری بلکہ ایسا سوال ہے جس کا جواب سوال سے پہلے ہر شخص کو معلوم ہے۔ ہم میں ہر ایک جانتا ہے کہ کسی قسم کا بھی آدمی ہو کسی میدان کا مرد ہو عالم ہو یا صوفی۔ بطل ہو یا سپہ سالار۔ بادشاہ ہو یا وزیر۔ صناع ہو یا کوئی اور پیشہ ور، سب کی پیدائش کا طریقہ واحد ہے ان میں سے ہر ایک ماں باپ کے عام طبعی تعلقات کی بناء پر وجود پذیر ہوتے ہیں۔

مگر اب اس سوال کو انسان اول کے متعلق اٹھاؤ اور دیکھو کہ فکری گردشوں کا کیا عالم ہوتا ہے۔ وسلوس و اوہام احتمالات و شقوق کے لکد کوب سے دل و دماغ میں کتنی ...

پیدا ہوتی ہے اور پھر بھی یقین کی کوئی صحیح راہ متعین ہوتی نظر نہیں آتی۔

کوئی نہ تھا۔ نہ مرد تھے، نہ عورت، ایسی صورت میں کس طرح یکایک یہ عجیب و غریب شخصیت رکھنے والی ہستی جس کا نام انسان ہے کائنات میں نمودار ہوئی اور نہ صرف انسان بلکہ کائناتی مکونات و موجودات کی ہر نوع کے متعلق یہی سوال پیدا ہوتا ہے اور ہر ایک میں تقریباً وہی "انڈا پہلے ہے یا مرغی" کا چکر شروع ہو جاتا ہے۔

اور جیسے کس طرح پیدا ہوا؟ کا سوال عام انسانوں کے متعلق بے قیمت اور غیراہم انسانِ اول کے متعلق سب سے زیادہ قابلِ بحث و تفتیش غور و فکر ہی ہے۔ اسی طرح کب پیدا ہوا؟ کہاں پیدا ہوا؟ کے سوالات عام انسانوں کے متعلق جتنی اہمیت رکھتے ہیں عجیب بات ہے کہ انسانِ اول کے متعلق اسی درجہ وہ غیراہم ہیں۔

ایسے وقت میں جب دنیا میں کوئی نہ تھا ظاہر ہے کہ اس وقت انسان کی تاریخ کا کوئی باب ہی نہ کھلا تھا نہ سیاسی نہ مذہبی نہ علمی نہ کچھ اور، اور سنِ ولادت مقامِ ولادت کے جاننے کی ضرورت جو کچھ بھی ہوتی ہے وہ ان ہی ابواب کے ساتھ اس شخص کے تعلقات کی تشریح کے لئے ضرورت ہوتی ہے جس پر ہم بحث کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن جب کوئی نہ تھا۔ صرف پہلا آدمی پیدا ہوا۔ کسی وقت بھی پیدا ہوا صبح میں پیدا ہوا یا دوپہر میں۔ جنوری میں اس کی ولادت ہوئی یا مئی میں۔ آج سے دو ہزار برس پیشتر پیدا ہوا ہو یا دو لاکھ سال پیشتر۔ انسانِ اول کے متعلق یہ سارے سوالات غیر ضروری اور دور از کار ہیں۔ اس سے کسی تاریخی مسئلہ کے سلجھانے میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ یہی حال مقامِ ولادت کا ہے پہلا آدمی ایشیا میں پیدا ہوا یا یورپ میں ہند میں پیدا ہوا، یا سندھ میں بجز اس کے کہ اس سوال کے فرضی جواب کو ایک جھوٹے وطنی افتخار کا ذریعہ بنایا جائے اس کے سوا اس کا کیا حاصل؟ انسانیت کا تعلق

کسی خطہ میں ہوا ہو کسی زمانہ میں ہوا ہو۔ اس کے فرائض وحقوق پر ان سوالات کے حل سے کیا اثر مرتب ہوتا ہے۔ کہ آدمی بہرحال آدمی رہتا ہے خواہ وہ الہ آباد میں پیدا ہوا یا کلکتہ میں اور خواہ اس کی ولادت مارچ میں ہوئی ہو یا اگست میں۔ رات کو پیدا ہوا ہو یا دن کو واقعات تو یہ ہیں۔

مگر کیا کیجئے اسی غلط فرضیہ نے جس کا ذکر میں نے ناصیہ مضمون میں کیا ہے تقریباً ہر زمانہ میں ہر قوم نے بلکہ شاید ہر مذہب کے پیروؤں نے اور اگر زیادہ تفحص سے کام لیا جائے تو تقریباً ہر علم والوں نے چاہا ہے کہ باوجود غیر ضروری ہونے کے انسانِ اول کے متعلق کب اور کہاں پیدا ہوا؟ کا سوال اٹھایا جائے اور باوجود اس یقین کے کہ جس راہ سے وہ ان سوالوں کے جوابات حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کا صحیح جواب قطعی طور پر نہیں مل سکتا۔ لیکن رائیگاں کوششوں کا ایک سلسلہ ہے جو طوفان کی طرح ہر زمانہ میں اُٹھتا رہتا ہے اور اترتا رہتا ہے ابتدا میں ہنگامہ آرائیاں ہوتی ہیں اور آخر میں پھر مایوسی کا اعلان اس پرندے کی طرح کر دیا جاتا ہے جو وسیع سمندر کی فضا میں اُڑتے اڑتے بالکل تھک کر ڈوبنے کے لئے اپنے بازو پھیلا دیتا ہے یہ لوگ بھی اعتراف جہل کے گرداب میں غرق ہونے کیلئے اپنے آپ کو خود پیش کر دیتے ہیں۔

اساطیر الاولین (میتھالوجیون) میں کب اور کہاں؟ کے سوالات کے جتنے جوابات دیئے گئے ہیں اگر مختلف اقوام اور امتوں کے پارینہ قصوں سے ان کا انتخاب کیا جائے تو اس سے دفتر تیار کئے جاسکتے ہیں۔ مسٹر ڈیانہ نے اپنی مشہور کتاب "یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ" میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ " دنیا میں کوئی خطہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق کسی نہ کسی نے انسانیت کی ابتداء و ظہور کا دعویٰ نہ کیا ہو۔" [۱]

---

[۱] کتاب مذکور صفحہ ۳۶۔

علماء یہود و نصاریٰ نے توریت کے باغِ عدن ہی کی تشریح میں جو خیال آرائیاں کی ہیں اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب اس مسئلہ کے متعلق ایک دعوے کی تشریح نے یہ گوناگونی اختیار کی ہے تو پھر مختلف قوموں اور ملکوں کے مختلف دعووں کی موشگافیوں نے کیا رنگ اختیار کیا ہوگا۔ مسٹر رڈپاتھ نے علماء یہود و نصاریٰ کی تشریحات عدن کے متعلق لکھا ہے

"بعضوں نے کہا ہے کہ یہ (باغ عدن) چوتھے آسمان پر ہے بعضوں نے کہا کہ طارق القمر یا مدار القمر میں ہے بعضوں کا خیال تھا کہ چاند ہی میں ہے۔ کچھ لوگوں کی کوشش تھی کہ اس کو طبقۂ اعلیٰ میں ثابت کر دکھائیں۔ بعض محقق عدن کی جگہ اسی زمین میں بتلاتے تھے کچھ لوگ خطِ استوا کے نیچے۔ کبھی یہ جنت تاتار اور چین میں تجویز کی گئی۔ کبھی وادی گنگا میں کبھی لنکا میں سمجھی گئی لیکن اکثر فاضل ارض آرمینیہ ہی میں سرگرداں رہے"۔

لفظ فرات کی تصحیح کے لئے بعض اس کی تلاش میں صحرائے افریقہ پہنچے۔ عراق عجم شام، پارس، عرب، بابل، عراق عرب، فلسطین بھی اسی اعزاز کے مستحق قرار دیئے گئے حال ہی میں بعض لوگ یورپ کی حمایت میں اٹھے ہیں"۔ [۱]

"مقامِ ظہور" کی چہ میگوئیوں کا ایک طرف یہ حال ہے اور بعینہٖ بلکہ کچھ اس سے زیادہ ہی انسانِ اول کے "عہدِ ظہور" کے متعلق کچھ کم بوقلمونیاں نہیں ہیں۔

ایک طرف "مشرق" خصوصاً ہندوستان کے ریاضیاتی فراخ والے بزرگوں نے اپنی ساری مکانی تنگ نظریوں کے ساتھ اس مسئلہ میں جس وسیع المشربی سے کام لیا ہے اس کا اندازہ صفروں اور نقطوں کے ان طویل پلٹنوں اور لمبی قطاروں سے ہو سکتا ہے۔ جن کا پڑھنے والا جب آخر میں پہنچتا ہے تو حافظہ سے ابتدائی عدد کا خیال ہی نکل جاتا ہے۔

[۱] رڈپاتھ صفحہ ۱۰۳

دوسری طرف انتہائی سادگی کے ساتھ مغرب ایمان لاتا ہے کہ

"کائنات ۲۳ اکتوبر ۴۰۰۴ قبل مسیح اتوار کے دن پیدا کی گئی اور آدمؑ و حواؑ اس کے پانچ دن

بعد ۲۸ اکتوبر ۴۰۰۴ جمعہ کے دن قبل مسیح پیدا کئے گئے" [1]

تاریک عہد میں نہیں بلکہ بیسویں صدی سے پیشتر یورپ کا ہر عیسائی باشندہ اس تاریخی حقیقت پر یقین کرنے کے بغیر "جنت" کا مستحق نہیں ہو سکتا تھا اگرچہ حال میں غیر دینی جماعت کے محققین نے تورات و انجیل کی اس تاریخی یقین کے راز کو طشت ازبام کرتے ہوئے علماء یہود و نصاریٰ کی اس تحریفی فطرت کی زبردست شہادت پیش کی ہے جس کا اعلان سب سے پہلے عرب کی وادی میں "امتِ امیہ" کے "نبی امی" (فداہ ابی و امی) صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا پروفیسر رڈپاتھ اپنی مشہور تاریخ یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ میں بائبل کے اس سِنّی عقیدہ کی حقیقت یوں درج کرتے ہیں۔ پہلے انھوں نے علماء یہود کے متعلق لکھا ہے۔

"آٹھویں صدی قبل مسیح میں یہودیوں کو تعیُّنِ سِنین کا خبط ہوا لیکن تورات کے تینوں نسخے یعنی عبرانی، کلدانی، یونانی میں بڑا اختلاف تھا۔ بہرحال ان تمام نسخوں کے اختلافات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھوں نے جو فیصلہ کیا اس کا حاصل یہ ہے کہ "آغازِ عالم کا قریب سے قریب وقت تین ہزار چار سو تراسی سال اور بعید سے بعید وقت چھ ہزار نو سو چون قبل مسیح ہے"

یہ تو علماء یہود کے تحریفی خبط کا نتیجہ ہے علماء نصاریٰ اپنی آواز کو خدا کی آواز بتانے میں جس درجہ چابکدست ہیں اس کے متعلق پروفیسر موصوف ہی کا بیان ہے کہ

"سترہویں صدی کے وسط میں اسقف اعظم جیمس اشر نے ان ہی اعداد سے ایک متفق علیہ سن نکالنے کا عزم کیا اور نہایت عجیب بات ہے کہ اس کا نتیجہ مغربی قوموں کے اعلیٰ حلقوں

---

[1] یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ صفحہ ۲۳۲۔

سب لوگوں میں مستند مانا گیا؟

حال ہی میں علمی تحقیقات جیمس سن کو غلط ثابت کرنے میں کامیاب ثابت ہوئی ہے مگر اب تک یورپ اور امریکہ کے عوام الناس پر اس کا بے انتہا اثر ہے کیونکہ یہ انجیل مقدس کے تعین اوقات سے ماخوذ ہونے کا مدعی ہے۔

خدا جانے کیوں کر اور کس طرح وہ تاریخیں جو جیمس صاحب نے تہا ان کی تعین نئے اور پرانے عہدنامے کے تمام نسخوں کے حاشیوں پر لکھ دی گئیں اور جب ایک دفعہ ان کو وہاں جگہ مل گئی تو سیدھے سادے کم علم آدمیوں کے لئے ان کا نکالنا آسان نہ تھا بالآخر اس سن کا رواج عالمگیر ہوگیا۔ اٹھارہویں صدی اور نصف انیسویں صدی تک تمام مورخین ابتداء عالم کے واقعات کو اسی سن سے شمار کرتے ہیں۔

انجیل کے تمام نسخوں کے حاشیوں پر اب تک یہ تاریخیں بدستور لکھی جاتی ہیں اور عوام یہی جانتے ہیں کہ یہ تاریخیں بھی اسی کی لکھی ہوئی ہیں جس نے خود کتاب انجیل لکھی ہے۔ [1]

اس کے بعد ان مسلمات سے کہ انسانوں کی دستی تحریریں اس زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار ڈھائی ہزار برس پیشتر تک کی ملتی ہیں جیسا کہ رڈپاتھ ہی لکھتا ہے۔

"یہ مسلم ہے کہ اس قسم کی تحریریں چینیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پندرہ سو برس پیشتر اور آریاؤں میں دو ہزار برس پیشتر اور وادی فرات کے رہنے والوں میں اکیس سو برس پہلے موجود تھیں اور مصری یادگاریں اب تک کھڑی کہہ رہی ہیں کہ ہمارے بنانے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ڈھائی ہزار برس پہلے فن تحریر اور انشاء پردازی میں یگانۂ آفاق اور استاد زمانہ تھے بنی اسرائیل کے پیغمبروں اور شاعروں نے بھی آٹھ سو برس پہلے اپنی باتوں کو شاعرانہ اور نیم تاریخانہ رنگ میں لکھا تھا

[1] ہسٹری آف دی ورلڈ صفحہ ۱۰۳ مصنفہ پروفیسر رڈپاتھ۔

"اور یونانیوں میں پانچسو برس پہلے ہیرڈوٹس نے فنِ تاریخ نویسی کی ابتدا کی اور اسکے بعد تھیوسی ڈائیڈیز نے اس کو مکمل کیا جو حسنِ ادا اور طرزِ بیان کے لحاظ سے اب تک بے نظیر ہیں"[1]

اور صرف یہی نہیں کہ قدیم عہد کی یہ تحریری یادگاریں آثارِ قدیمہ کی تلاش کرنے والوں کو مل رہی ہیں بلکہ بقول رڈپاتھ

"دور دراز ملکوں میں قومیت کے لحاظ سے بالکل الگ الگ لوگوں میں اور زبانوں کی حیثیت سے سراپا مختلف زبانوں میں ڈھائی ہزار سال سے چار ہزار برس تک کی پرانی تاریخی تحریریں پائی جاتی ہیں"

ظاہر ہے کہ پہلے فنِ کتابت سے انسان کا آشنا ہونا پھر اس کا تدریجی ارتقاء کے مراتب طے کرکے انشائی نزاکتوں کی منزلوں تک پہنچتے پہنچتے انسان کو کتنی دیر لگی ہوگی پھر ایک قوم کے علوم و فنون کا دوسری قوموں تک پہنچنا اس کے لئے کتنی مدت درکار ہوگی اور یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اس پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ "اگر ہم تمام نوعِ انسانی کو متحد الاصل اور ایک ماں باپ کی اولاد سمجھتے ہیں تو ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ اس کے تمام افراد روئے زمین کے مختلف براعظموں میں پھیل جائیں اور براعظم بھی ایسے جن کے بیچ میں اکثر ناپید اکنار سمندر اور فلک فرسا پہاڑ ہیں۔ جب ہم ان دور دراز ملکوں اور ان کے راستوں اور دشوار گذار ناہمواری اور ابتدائی قوموں کی پیادہ پائی اور آہستہ روی پر نظر ڈالکر ان مختلف باشندوں کی عادات و اطوار کی مشابہت اور ان کے مدارج ترقی کی یکسانیت کو دیکھتے ہیں۔

تو ابتدائے انسانیت کی بے انتہا قدامت ہم کو حیران کر دیتی ہے اور ہم اس طول طویل زمانے کے تصور سے عاجز رہ جاتے ہیں جو ابتدائی آدمیوں کو اپنے مشترکہ مکان سے چل کر ان تمام ملکوں میں پھیل جانے کے لئے ضروری ہوگا جہاں آج ان کے مٹے ہوئے نشانات بوسیدہ

---

[1] دیکھو رڈپاتھ کی تاریخ ابوالبشر صفحہ ۶۶ مترجمہ مولوی انوارالحق بھوپالی۔

ہڈیاں طبقات الارض کے گودسے نکل نکل کر دنیا کو اپنی قدامت اور بزرگی کا ثبوت پیش کر رہے ہیں[۵۱]

الغرض دلائل و براہین کی زد میں اکثر علماء یہود و نصاریٰ کی وہ ساری تحریفی کارروائی جو خواہ مخواہ تعینِ سن کے متعلق عمل میں آئی تھی خود ان ہی مذاہب کے محققین کے ہاتھوں برباد ہوگئی اور بالآخر ان لوگوں کو بائبل کی سنین کے متعلق لکھنا پڑا کہ "یہ ساری باتیں پرانے زمانوں کی تاریکی اور جہالت کا خیال تھا۔"[۵۲]

لیکن جن کے بزرگوں نے مذہب و دین کے نام سے صدیوں انسان کو اپنے اختراعی تحریفات کے جال میں پھنسائے رکھا تھا ان کے وارثوں اور جانشینوں نے آغازِ انسانیت کے متعلق کہاں؟ اور کب؟ کے دورانکار ممنوع الادراک سوالوں کے من مانے خود تراشیدہ جوابات سے کیا انسانی دل و دماغ کو آزادی بخشی؟

یورپ کے یہی مدعیانِ تحقیق ایک طرف تو ببانگ توپ و طبل اسکا اعلان کرتے ہیں کہ

"ان لاینحل ناممکن التحقیق سوالوں کے جوابات کے متعلق تاریخ طبعاً خاموش ہے کہ کسی آدمی نے انسان کو دنیا میں آتے ہوئے نہیں دیکھا ابتدائی آدمی نے خود اپنے حالات کسی کاغذ یا پتھر پر نقش نہیں کئے۔ کوئی یادگار بھی ایسی نہیں ملتی جس سے ابتدائِ ظہور انسان کا پتہ چلے اس لئے کسی کی کوشش اس زمانہ کی تاریخ لکھنے میں مفید اور بار آور نہیں ہوسکتی۔"[۵۳]

لیکن "کسی کی کوشش" جس مسئلہ میں بار آور نہیں ہوسکتی بے ثمری کے اس انتہائی یقین کے باوجود پھر ان ہی دینی تحریف کے چابک دستوں کے وارثوں کو دیکھا جاتا ہے کہ مذہب و دین کی عبا اتار کر علم و تحقیق کے سوٹ میں جلوہ گر ہوتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے کہ جس

---

۵۱ کتاب مذکور صفحہ ۳۹ ۔ ۵۲ کتاب مذکور صفحہ ۴۳

۵۳ ہسٹری آف دی ورلڈ رشیانہ صفحہ ۱۰۳ ۔

[illegible] انھوں نے قدم اٹھایا ہے علم کے معمولی ذرائع یعنی عقل وحواس سے ان کو [illegible] جان سکتے پھر بھی دینی نہیں تو علمی تحریفات کا ایک طویل و عریض جال بچھا دیتے ہیں۔ یہی [illegible] جو آج سے سو برس پیشتر دین کے نام سے آغازِ انسانیت کی تاریخ و مقام کے جاننے کا مدعی تھا اب علم کے نام سے پھر اسی کے جاننے کا مدعی ہے جس کے متعلق یہ بھی جانتا ہے کہ علم کی کسی راہ سے اُسے کسی طرح وہ جان نہیں سکتا۔

ان کے پیشرو تو صرف ایک فرضِ کاذب کے مدعی بن کر اپنے خیال میں صادق نتائج پیدا کرتے تھے یعنی جو بات خدا نے نہیں بتائی تھی کسی ترکیب سے انھوں نے اپنے عوام کو باور کرا دیا تھا کہ یہ خدا ہی کی بات ہے اس جھوٹ پر انھوں نے اپنے نتائج کی بنیاد قائم کی تھی اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ان کا پہلا فرضی مقدمہ صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس کے بعد ان کے نتائج کے متعلق شک کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ کیونکہ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ خود انسان اپنی ابتدا کی تاریخ نہیں بتا سکتا جیسا کہ رڈپاتھ نے لکھا ہے۔

> "کوئی شخص اپنی پیدائش کا حال خود نہیں جانتا کوئی بچہ اپنے دنیا میں آنے کے حالات آئندہ لوگوں کی اطلاع اور دلچسپی کے لئے قلم بند نہیں کرتا۔ یہ خیال محال ہے بے خبر آدمی اپنی بے خبری کا حال کیا لکھے گا۔"[1]

اس باب میں یقیناً انسانِ اول کا بھی یہی حال ہے اور یہی ہونا بھی چاہیے۔ مگر جن باتوں کو خود انسان نہیں بتا سکتا تو کیا انسان کا بتلانے والا بھی نہیں بتا سکتا بلکہ سچ یہ ہے کہ انسان کے صحیح حالات وہی ہو سکتے ہیں جو خود اس کا پیدا کرنے والا بتائے پس اگر ان کے اسلاف کا یہ بیان صحیح ہوتا کہ انجیل کے حاشیہ پر جیمس اشر نے جو کچھ درج کر دیا ہے وہ انجیل کے باہر کی نہیں بلکہ

---

[1] کتاب مذکور صفحہ ۸۵

دہری کی چیز ہے اور معنیٔ انجیل کی نہیں بلکہ مصنفِ انجیل کی ہے تو کم از کم ایک عیسائی کیلئے اس میں شک کرنے کی کیا گنجائش ہوسکتی ہے۔ بہرکیف ان کے بزرگوں نے تو ایک جھوٹ سے بے نتائج پیدا کرنے چاہیئے تھے مگر ان بزرگوں کے اخلاف اسی چیز کو جو نہیں جانی جاسکتی" اس کے جاننے کیلئے جب اٹھے تو ایک فرض نہیں بلکہ مفروضات کا ایک انبار قائم کر دیا وہی لوگ جو ابھی کہہ رہے تھے کہ اس مسئلہ کے حل میں کسی کی کوشش بارآور نہیں ہوسکتی لہجہ بدل کر یکایک بولنے لگے کہ صرف مورخ ہی نہیں جس کے فن اور پیشہ کا یہ مسئلہ براہِ راست موضوع ہے بلکہ ایک ہیئت دان ایک جغرافیہ دان آثارِ قدیمہ کا عالم طبقات الارض کا ماہر علم الاقوام کا طالب العلم گویا ہر فن اور ہر پیشہ کے آدمی اپنے اپنے فن اور اپنے اپنے پیشہ کے ذریعے اس "ناقابلِ انجانی حقیقت" کو بآسانی جان سکتے ہیں۔ دینی محرفین کے وارثوں کی علمی تحریف کی یہ پہلی قسط ہے، ان کے اگلے "دین" کے نام سے جھوٹ بولے، اور اب پچھلے علم و سائنس کے نام سے اسی جھوٹ کا اعادہ دوسرے پیرایہ میں کر رہے ہیں اس اعتراف کے بعد پھر وہی لوگ جو ہستی کے اس لامحدود جنگل کے ایک خاص وجود یعنی نوعِ انسانی کے آغاز و ابتداء کے جاننے سے اپنے کو بلکہ سارے بنی آدم کو مایوس کر چکے تھے۔ پوری کائنات کے طریقۂ آغاز وقتِ آغاز کے جاننے کے مدعی بن کر سامنے آگئے جن کے سامنے سے پہلا انسان موجودہ کائنات کا ابتدائی مادہ یا اسکی ابتدائی شکل اس طرح آگئی کہ گویا یہی اس عالم کے بنانے والے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہستی کا یہ سارا کارخانہ ان کی آنکھوں کے سامنے بنا ہے۔ اس سلسلہ میں نہ جاننے والوں نے جاننے کے متعلق کیا کیا دعوے کئے ہیں۔ اس کی تفصیل کہاں تک کر سکتا ہوں۔ بطور مثال کے صرف ان مفروضات کا ایک سلسلہ پیش کرتا ہوں۔ جو پروفیسر ... نے آغازِ انسانیت کی تاریخ علم تحقیق کی رو سے معین کی ہے وہ کہتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے۔

ابتداء میں کچھ نہ تھا صرف ایک سیال مادہ اور اس سیال مادہ میں حرکت تھی حرکت سے حرارت پیدا ہوئی اس گردش و حرکت کی وجہ سے اس سیال مادہ سے اجزاء ٹوٹ ٹوٹ کر فضاء میں پھیلے بالآخر بیچ میں ایک مرکز قائم ہو گیا اسی کا نام آفتاب ہے اور جو ٹوٹ ٹوٹ کر اجزاء ادھر ادھر بکھرے تھے انھوں نے ستاروں اور مختلف کروں کی ہیئت اختیار کی اور ان ہی کروں میں ایک زمین بھی تھی۔ زمین ابتداء ہی سے آفتاب کے گرد بیضوی مدار پر گھوم رہی ہے جس کی وجہ سے زمین کبھی آفتاب کے قریب ہو جاتی ہے اور کبھی بعید۔ ابتداء میں زمین اور آفتاب کی کم سے کم دوری آٹھ کروڑ پچاس لاکھ میل تھی اور زیادہ سے زیادہ دوری یا نقطۂ تباعد نو کروڑ نوے لاکھ میل تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ابتداء میں زمین صرف برف سے ڈھکی ہوئی تھی پھر جیسے جیسے زمین کو آفتاب سے نزدیکی حاصل ہوتی رہی۔ اس کے برفانی پہاڑ پگھل پگھل کر دریاؤں ندیوں کی شکل میں بہنے لگے۔ بالآخر یہ دریا بھی خشک ہونے لگے پانی اترنے لگا اور یوں زمین کا حصہ ربع مسکون ہویدا ہوا۔ اور بتدریج اس قابل ہوا کہ اس میں انسان بود و باش اختیار کر سکے پھر دوسرے علماء ہیئت کے حوالے سے پروفیسر مذکور نے نقل کیا ہے کہ زمین کے ان سارے انقلابات کی تاریخ اگر معین طور پر معلوم کرنا چاہتے ہو تو حسب ذیل نقشہ پر ایمان لانا چاہیے۔

• زمین پر پہلا انقلابی واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام سے نو لاکھ پچاس ہزار برس پیشتر دوسرا آٹھ لاکھ پچاس ہزار، تیسرا سات لاکھ پچاس ہزار، چوتھا چھ لاکھ، پانچواں پانچ لاکھ، چھٹا دو لاکھ پچاس ہزار اور تین لاکھ کے درمیان اور آخری انقلاب ایک لاکھ سال پہلے ہوا اس کے بعد جب وہ جاندار جو انسان کہلاتا ہے عالم بخ کے بعد اس وقت زمین پر آیا جبکہ اس کی سطح تو دھلائے برف سے صاف ہو کر قابل رہائش ہو گئی تھی۔ جبکہ برفانی دریا اپنی طغیانی کے بعد اتر چکے تھے اور براعظموں کی موجودہ صورت اور تقسیم قائم ہو چکی تھی۔ ؎ لہ

لہ یونیورسل ہسٹری صفحہ ۳۲ مولفہ رز ہانتہ

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ علم ہیئت کی تحقیقات کے لحاظ سے طبق الارض کے تغیر و تبدل کو دیکھتے ہوئے آفرینش انسان کی ابتدا حضرت عیسیٰؑ سے تیس یا چالیس ہزار پہلے تک واقع ہوئی ہوگی۔[1]

اگرچہ "ہوئی ہوگی" کے احتمالی صیغے نے بجائے علم کے اس دعوے کو صرف ایک عقلی احتمال کی سرحد تک دھکیل دیا لیکن جیسا کہ وہ بات جو بائبل کے حاشیہ پر چڑھ گئی پھر اس کا وہاں سے اتارنا آسان نہیں ہے۔ آج بھی جو بات کسی علم کے ذخیرے میں کسی نہ کسی طرح سان دی جائے تو عوام الناس کے لئے مشکل ہو جاتا ہے کہ بجائے یقین و ایمان کے اس کے ساتھ صرف گمان غالب کا تعلق رکھیں گویا وہ فریب جو پہلے مذہب کے نام سے دیا جاتا تھا آج سائنس اور علم کے نام سے وہی شعبدہ بازیاں کھیلی جا رہی ہیں۔ اور جب تک جھوٹے علم کا راز واضح نہ ہوگا۔ جس طرح جھوٹے مذاہب کی حقیقت لوگوں پر کھل چکی ہے یہ حال یوں ہی باقی رہیگا۔ کسقدر عجیب بات ہے جب یہ مسلمہ ہے کہ کسی آدمی نے انسان کو دنیا میں آتے ہوئے نہیں دیکھا اور اس لئے کوئی صحیح بات انسانی آغاز کے متعلق نہیں کہی جا سکتی لیکن جس آدمی نے انسان کو دنیا میں آتے نہیں دیکھا کیا اس نے پوری کائنات کو عدم سے دائرہ وجود میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے یا دیکھ سکتا ہے۔ اگر کوئی یادگار ایسی نہیں ملی جس سے ابتدائے ظہور انسان کا پتہ چلے تو جسکو عالم کے ایک معمولی جزء (انسان) کے ابتدائے ظہور کا پتہ نہیں چلتا اسی جاہل کو تمام دنیا کے ابتدائے ظہور کے متعلق کیا کوئی ایسی یادگار مل گئی ہے جس سے اس کے ابتدائے ظہور کا پتہ چلتا ہو۔ اس نظریاتی تناقض کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ جزء کی ابتدا سے بے خبر رہنے والے کسقدر اطمینان سے کل کی ابتدا کی خبر کسقدر تفصیل سے دے رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب کائنات کا وہ سیال، بخاری وجود یا ضبابی ہستی جس کے یہ لوگ مدعی ہیں اپنی اصل شکل میں تھی اس وقت

[1] یونیورسل ہسٹری صفحہ ۳۵ مولفہ زنیا بتہ۔

ان دعووں کے مدعی اپنے ہاتھ میں کاغذ و قلم لیکر موجود تھے اور ابتدائی حالات سے لیکر موجودہ وقت تک کے انقلابات کی مفصل تاریخ مرتب کر رہے تھے ابتدا میں یوں تھا پھر اتنے سال بعد یہ ہوا اور ہوتا ایں کہ دنیا موجودہ براعظموں کی شکل تک پہنچ گئی۔ شیخ چلی کے خیالی مالیخولیا کے سوا اپنے اندر کوئی اور وقعت بھی رکھتی ہے؟ بے جانے ہوئے قدرتی قوانین کی تشریح جو ان مدعیانہ لہجوں میں کرتے ہیں اُن کے متعلق قرآن ان کو خدا پر جھوٹ باندھنے والا قرار دیتے ہوئے یہ پوچھتا ہے۔

ام کنتم شهداء اذ وصاکم الله بهذا۔	کیا تم اس وقت حاضر تھے جس وقت خدا ان علوم کی تم کو وصیت کر رہا تھا۔

کہ اس بنیاد پر ابتدا سے لیکر اس وقت تک کی آپ نے ایک طویل فہرست بنالی ہے اور ہر انقلاب کا زمانہ معین کر لیا۔

صرف ایک علم ہیئت اور نجوم ہی نہیں بلکہ اس زمانہ میں جن جن چیزوں کا نام علم ہے سب میں اس سوال کو اٹھایا گیا ہے اور جیسا کہ علم ہیئت والوں کے خیالات کی رو سے انسانیت کی ابتدا آج سے پینتیس ہزار سال پہلے معلوم ہوتی ہے اسی طرح طبقات الارض والوں کی تحقیقات سے پچیس ہزار سال پہلے معلوم ہوتی ہے اور تقریباً اسی قسم کے نتائج ارکیالوجی پلینٹولوجی انتھنولوجی، انتھاگرافس ہسٹری۔ الغرض عہد حاضر کے تمام لوجیات اور گرافیات کے بڑے بڑے پر رعب ناموں سے بنی آدم کو مرعوب بنا رہے ہیں۔ ہر ایک کے مقدمات کی ترتیب سے اس قسم کے تعینی نتائج پیدا کئے جا رہے ہیں جس طرح ان کے اسلاف نے۔ دین۔ مذہب مسیح، کلیسا۔ بائبل، خدا وغیرہ کے ناموں سے انسانی ذہنیت کو ایک مدت تک دبا رکھا تھا۔ کہنے والوں نے جس طرح پہلے بغیر کسی دغدغہ کے کہا تھا کہ ٹھیک تیس اکتوبر ۴۰۰۴ قبل مسیح

دنیا کی ابتدا ہوئی اسی طرح آج بھی کچھ لفظی ایرپھیر کے بعد گمان کے الفاظ سے یہ یقین دلایا جارہا ہے کہ فلاں مہینہ کے فلاں سن میں زمین آفتاب سے جدا ہوئی۔ فلاں مہینے میں فلاں سنہ تک اس کی حرارت بجھی پھر فلاں مہینے کے فلاں سنہ میں برف کے تودے قائم ہوئے اور یہ تودے فلاں سنہ میں دریا بن کر بہنے لگے پھر یہ دریا فلاں سنہ میں اترے اور اس کے بعد یہاں نسل انسانی کی نمود فلاں سنہ میں شروع ہوئی دین والوں پر علم کے مدعیوں نے قہقہہ لگایا لیکن ان قہقہوں کو آج کون روک سکتا ہے جو علم والوں پر تحقیق والے آج لگانا چاہتے ہیں، یا آئندہ یقیناً لگا کر رہیں گے۔

اذا انکشف الغبار فسوف یبدی   افرس تحت فخذک ام حمار

جب غبار ہٹے گا تب کھلے گا کہ تمہارے زانو کے نیچے گھوڑا ہے یا گدھا۔

حالانکہ ان مباحث کے چھیڑنے سے پہلے ان مسکینوں کو یہ سوچنا تھا کہ "انسان اول" کے متعلق ان سوالات کی اہمیت و قیمت کیا ہے۔ اگر ابتدا ہی میں اس "کاہ" کی حقیقت ان پر واشگاف ہوجاتی تو واقعہ یہ ہے کہ پھر اس "کوہ کندن" کی حاجت بھی نہ ہوتی لیکن موروثی عادتیں بدل سکتی ہیں مٹ نہیں سکتیں۔ تحریف و افترا جن کے بزرگوں کا قومی شیوہ ایک مدت تک رہا ہے ان کے اخلاف زیادہ سے زیادہ روک ٹوک سے الفاظ بدل سکتے تھے، لیکن معنی کی تبدیلی کی امید ان سے بیجا ہے اور انھوں نے یہی کیا ان کے بزرگ دین کے نام سے جھوٹ بولے مذہب کے نام سے انھوں نے اس جھوٹ کا پروپگنڈا کیا اور پچھلوں نے صرف دین کے لفظ کو کاٹ کر علم کا لفظ تراشا، پھر اس جھوٹ کو "سچ" کے نام سے وسوسہ کو فلسفہ کے عنوان سے، خرافات کو حقائق کی تعبیر سے دنیا میں پھیلا رہے ہیں جس طرح پہلوں کے لئے کسی کو اتنی فرصت نہیں تھی کہ بائبل کے متن اور حاشیہ میں تمیز کرتا اسی طرح پچھلوں کیلئے

کس کے پاس اتنا وقت ہے جو نتائج کی تنقیح مقدمات کو سامنے رکھکر کرے اور مقدمات کے متعلق یہ سوال اٹھائے کہ ان کا تعلق صرف تخمینہ اور عقلی دلائل اور فرض سے ہے یا مشاہدہ اور تحقیق سے کچھ دنوں تک پہلوں کا جھوٹ دنیا میں مذہب کی قوت لیکر پھیلتا رہا اور اب پچھلوں کا جھوٹ علم و سائنس کے وزندار الفاظ کی پشت پناہی میں مقبولیت حاصل کر رہا ہے یہی لوگ ہیں جن کے ذریعہ سے تشابھت قلوبھم (یعنی ان کے قلوب باہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں) کی تفسیر ہمیشہ ہوتی رہیگی اور اتواصوا بہ بل ھم قوم طاغون ۰ (یعنی ان باتوں کی (ان کے پہلوں نے پچھلوں کو وصیت کی یا یہ سرکش قومیں ہیں) کا مصداق ان کی ہستیوں میں ملتا رہیگا۔ (باقی آئندہ)